OPEN ACCESS
Al-SHARQ
ISSN (Print): 2710-2475
ISSN (online): 2710-3692
www.alsharqjr.com

Al-SHARQ
Vol.: 01, Issue: 02,July-Dec 2020, PP: 01 - 16

مغازی رسول ﷺ سے ماخوذ اسباق و مسائل: عمرہ قضاء، غزوۂ موتہ، حنین وطائف کا خصوصی مطالعہ

Lessons Derived from Maghāzī Rasūl: Special Study of 'Umrah Qaẓā', Ghazwah Mu'aṯṯah, Ḥunayn and Ṭā'if)

Dr. Muḥammad Waqas,
PhD (Fiq ul Seerah) Hazara University, Mansehra, KPK
Email: waqashamad222@gmail.com

Bilal Khan,
M.Phil Islamic & Religious Studies,
Hazara University, Mansehra, KPK

Abstract

The study of battles and war expeditions of Prophet Muhammad ﷺ was an important and instructive aspect of uswa-e-hassana. History and attitude of nations always denied this reality that the lesser quantity of nations lessen its status as well. The numbers do not matter to protect one's right, success in war, political and moral domination and national greatness. Often it happens that less in numbers dominates the greater in numbers. The number is not an icon of success. The factors -which are necessary to achieve the goal, if found in few people -win success. Enthusiasm in few people is indeed much more than people in a larger number. Seerah of Rasool Allah ﷺ is named as ghazawāt (battles of holy Prophet ﷺ in one aspect, therefore the books of Sīrah became famous in name of Maghāzī earlier, but the battles of Prophet ﷺ were extra ordinals unique in the history of mankind because during these battles and war expeditions few lives were lost, in spite enmity dignity and respect of human blood was preserved historically. Therefore it is tried that why in this script the battles of holy Prophetﷺ were unparalleled and unique? What is their nature? What plans were made in war? And what is the secret of success in these battles? All this information we can get from reading Sīrah. Therefore, below were discussed the four battles from battles of holy Prophet ﷺi.e. Umra Qaza, ghazwa-e-Maw'ta, ghazwa-e-Hunain, and ghazwa-e-Taif and tried to reach their actual purposes and to expose the practical aspects of problems and commandments lies in these battles.

***Keywords**: sirah, maghazi, Hunain, Taif*

CC BY

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک لمحہ امت مسلمہ کے اسوہ حسنہ اور کامل نمونہ ہے۔ہر مسلم کو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی پیروری ہی بہترین راستہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا مدنی دور دشمنان اسلام اور کفار و مشرکین، یہود نصاری اور منافقین سے معرکہ آرائی میں گزرا۔ نبی اکرم ﷺ کی یہ جنگی مہمات تاریخ اسلام کا ایک روشن اور زریں باب ہے جس نے امت کو جہاد کی دعوت سے روشناس کرایا۔ ریاست اور حکومت اسلام کا مقصد نہیں بلکہ نشان منزل ہے اسی ضروت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی جو ہمیشہ کے لیے تمام ریاستوں کے لیے اسی طرح کا نمونہ اور مثال رہے گی جس طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہر انسان کے لیے نمونہ ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی مدنی جدوجہد سے اس ریاست کے لیے جو قوانین وضع کیے وہ تمام قوانین کا سرچشمہ ہیں اور تمام قوانین کے لیے معیار اور مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اولاً گذشتہ طریقوں کی اصلاح کی اس کے بعد آپ نے جنگی اصلاحات کے لیے ایسے اصول وضع کیے کہ جس جنگ کا نام سنتے ہی روح کانپ اٹھتی تھی اور مفتوح قوم کھلی آنکھوں سے موت کا مشاہدہ کرنے لگتی تھی،انسانیت کی بے راہ روی اور اخلاقی، جانی اور مادی تحفظ کا ذریعہ بن گئی۔سب سے پہلے آپ نے صلح سے کام لینے کی تاکید کی اور انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں سخت شرائط کے ساتھ تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھی مسلسل تیرہ سال ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے اور بغیر کسی جرم وخطاکے ان کو گھروں سے نکال دیا گیا، لیکن جلاوطنی کے بعد بھی تعاقب جاری رہا تو انہیں جنگ کی اجازت دی گئی لیکن یہ اجازت ناحق خون بہانے کی قطعاً نہیں تھی بلکہ جو بالمقابل آئے اس سے لڑو،مثلہ نہ کرو، شب خون نہ مارو،اذیت دے کر قتل نہ کرو،راہبوں، گوشہ نشینوں، معذوروں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو نہ چھیڑو، عمارت نہ ڈھاؤ، پھلدار درخت نہ کاٹو، جو لوگ تمہارے قیدی بن جائیں ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو،ان کو کھانا کھلاؤ اور ان کے لباس کا خیال رکھو۔قرآن مجید نے قیدیوں کے کھانے کھلانے کو بہترین عمل قرار دیا۔پھر تعلیمات میں یہ بھی داخل تھا کہ آبادی کو نہ اجاڑو یہاں تک کہ فخر و غرور سے پر نعرے بازی سے بھی نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ان اصول اور طریقہ کار کو آپ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے عملی جامہ پہنا کر غیر مسلم قوم کے ظالمانہ جنگی طریقوں کی تمام راہیں مسدود کر دیں،ان اصول وضوابط سے انسانی جان کی غیر معمولی قدر واہمیت اور اس کے احترام کا پتہ چلتا ہے۔یوں تو آپ کی ذات انسانیت کے لیے سراپا رحمت اور مردوں کے لیے مسیحا تھی لیکن آپ نے انسانیت نوازی جنگ جیسے نازک موڑ پر بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی تھی۔

غزوات نبی کی تو ایک طویل فہرست ہے لیکن ان غزوات النبی میں سے نبی ﷺ کی زندگی کے آخری دو غزوات غزوہ حنین وطائف کا تذکرہ کیا جائے گا اور صرف غزوات کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر تحریر کرنے کے بجائے اس کا درایتی اور مطالعاتی تجزیہ کیا جائے گا کہ آیا ان غزوات میں ہمارے لیے کیا پیغام پوشیدہ ہے اور ان غزوات سے کیا دروس ونتائج اور کن اسباق ومسائل کی طرف راہنمائی ہوتی ہے سیرت سے اس پہلو کو عصر حاضر میں فقہیات سیرت یا مطالعات سیرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس دو غزوات کا جائزہ سیرت کے اسی پہلو اور طرز کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی جنگ اور جنگی مہمات کا مطالعہ خود یہ بتاتا ہے کہ جنگوں کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ایک اہم اور نہایت ہی سبق آموز پہلو ہے۔تاریخ اور قوموں کا نفس مزاج اس حقیقت کو ہمیشہ جھٹلاتا رہا ہے کہ کسی قوم کی کم تعداد اس کی کیفیت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔اپنے حقوق کی حفاظت ،جنگ میں کامیابی ،اخلاقی اور سیاسی غلبہ اور قومی عظمت کے لیے بڑی

تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی جماعت کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ دراصل تعداد کسی وقت بھی فیصلہ کن جوہر ثابت نہیں ہوتی۔ مقصد کے حصول اور کامیابی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ اگر تھوڑی تعداد میں پائے جائیں تو میدان انہی کے ہاتھ رہتا ہے اور یہ بات تحریر سے ثابت ہے کہ جو جماؤ تھوڑی تعداد کو حاصل ہوتا ہے وہ بڑی تعداد میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ایک حیثیت سے غزوات ہی کا نام ہے۔ اس لیے پہلے سیرت کی کتابیں، مغازی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مگر نبی اکرم ﷺ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں کیونکہ دوران غزوات اور جنگی مہمات کے اتنی کم جانیں ضائع ہوئیں کہ انسانی خون کی عزت اور وقار کی بھی باوجود دشمنی کے ایک تاریخ رقم ہو گئی۔ اس لیے کوشش کی گئی ہے کہ اس تحریر میں رسول اللہ ﷺ کے غزوات کیوں اتنے بے نظیر اور ممتاز ہیں؟ ان کی نوعیت کیا ہے؟ ان جنگوں میں کیا حربی تدابیر اختیار کی گئیں؟ اور ان جنگوں کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ یہ ساری معلومات ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو درایتی انداز میں پڑھنے سے باآسانی حاصل ہو سکتی ہیں اس لیے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی جنگوں میں سے دو واقعات کو (عمرہ قضاء اور غزوہ مؤتہ) کو قلمبند کیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ان غزوات کے اصل مقاصد تک رسائی حاصل کی جائے اور ان غزوات میں جو مسائل واحکام مضمر ہیں انہیں اجاگر کیا جائے اور ان کے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے۔

موضوع تحقیق کا بنیادی سوال:

- کیا سیرت کے طلباء واقعات سیرت کو پڑھنے کے بعد اس کے روایتی طریقہ کار کے بجائے فقہیات سیرت کے جدید اسالیب سے واقف ہو سکیں گیں؟
- عام طور پر سیرت نگار مضامین اور واقعات سیرت کو بغیر کسی تخریج اور حوالہ کے نقل کرتے ہیں۔ طلبائے سیرت کو اس طرز کے تخریج شدہ مضامین سیرت اور روایات سیرت کی معیاری ومصدری حیثیت سے کافی سہولت اور آسانی ہو گی۔

منہج تحقیق:

مضامین مغازی کو ذکر کرتے ہوئے احادیث وآثار کے ضمن میں کئی نکات وفوائد اور فقہی مباحث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لیے تحقیق کا بنیادی ہدف یہ رہا کہ "السیرۃ النبویہ" کے اس پہلو پر جدید اصول تحقیق کو مد نظر رکھتے ہوئے ان نکات وفوائد اور فقہی مباحث کا ہر مضمون کے آخر میں الگ سے تذکرہ کیا جائے اور روایات سیرت کی بھی ممکنہ حد تک تخریج کی جائے تاکہ مضمون عام قاری کی سمجھ میں باآسانی آسکے۔

عمرہ قضاء:

"ذی القعدہ 7 ہجری میں نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے ساتھ ملکر صلح حدیبیۃ کی طے شدہ شرائط کے مطابق عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس عمرہ کو عمرۃ القصاص، عمرۃ القضیۃ اور عمرۃ الحدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ عمرہ قضاء میں مسلمانوں کی تعداد بچوں اور عورتوں کے علاوہ تقریباً دو ہزار تھی۔ اور ان میں صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ کرام بھی موجود تھے۔"[1]

عمرہ قضاء سے حاصل ہونے والے اسباق و مسائل:

- **پرورش میں ترتیب کفالت کا حق:**

حق پرورش میں خالہ کا درجہ بچے کے والدین کے بعد پھوپھی، چچی اور دیگر تمام رشتہ داروں پر مقدم ہے[2]۔ جمہور فقہاء کرام (امام ابو حنیفہ، امام مالک ااور امام شافعی) نے خالہ کی اولیت کی دلیل عمرہ قضاء میں حضرت حمزہ کی صاحبزادی (عمارہ) کے واقعہ سے کی ہے جب کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دوڑتی ہوئی آئیں تو انہیں حضرت علی نے لے لیا پھر اس بچی کے متعلق تین صحابہ حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید میں اختلاف پیدا ہو گیا ہر ایک اسی بات کا مصر اور مدعی تھا ان میں سے کہ میں اس بچی کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں اب تینوں کے گھر والوں میں سے ایک کا خالہ دوسری کا چچی اور تیسری کا اس بچی کے ساتھ پھوپھی کا رشتہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بچی (عمارہ) کو حضرت جعفر کے حوالہ کیا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کی زوجیت میں تھیں۔ لہٰذا یوں یہ شریعت کا یہ اصول واضح ہوا کہ پرورش میں خالہ کے حق کو پھوپھی اور چچی پر اولیت اور فوقیت حاصل ہے۔[3]۔

علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب میں یہ بات فرمائی ہے کہ پھوپھی کو خالہ پر ترجیح دی جائے گی[4]۔

- سیرت طیبہ کے اس واقعہ سے یہ بات بھی روشن ہوتی ہے کہ اگر عورت کسی کے ساتھ رشتہ نکاح قائم کرلے تو یہ رشتہ نکاح کسی کی حق پرورش کے لیے مانع نہیں بنتا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ کی صاحبزادی عمارہ کا حق پرورش ان کی خالہ کے حق میں فرمایا حالانکہ اس وقت آپ حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں۔
- اس سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ خالہ اسوقت اپنی بھانجی کی پرورش اور کفالت کی حقدار ٹھہرے گی۔ جب کہ اس کا شوہر اس کفالت پر رضامند ہو کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کی پابند ہوتی ہے اس لیے یہ خاوند کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اس واقعہ میں حضرت حضرت جعفر نے خود مطالبہ کیا تھا کہ اس بچی کو خالہ (یعنی میری اہلیہ) کے سپرد کیا جائے۔
- اگر کوئی بچہ اپنے چچا کے ساتھ رضاعت کرلے تو تو یہ اپنے چچا کا رضاعی بھائی بن جائے گا۔ اور یوں اس کے چچا کی تمام بچیاں اس بچہ کی بھتیجیاں شمار کی جائیں گیں اور اس بچے کے لیے ان تمام سے رشتہ نکاح قائم کرنا حرام ہو جائے گا۔[5]
- سیرت طیبہ میں حضرت حمزہ کی صاحبزادی کے قصہ سے اس مسئلہ کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ وہی عرب جو اپنے گھر میں بیٹی کی پیدائش کو باعث عار سمجھتے تھے اور یہاں تک کہ ان کو زندہ زمین میں دفن کیا کرتے تھے اسلام کی بدولت وہی عرب اب ایک بچی کے کفالت اور پرورش کی سعادت کے حصول کے لیے اب ایک دوسرے کے۔[6]
- **حالت احرام میں نکاح کرنے کا حکم:**

نبی اکرم ﷺ کا حضرت میمونہ سے عمرہ قضاء سے واپسی پر مقام سرف میں نکاح کرنے کا مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح جائز اور درست ہوتا ہے کہ نہیں؟

امام مالک بن انس، امام احمد، اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مؤقف یہ نقل کیا گیا ہے کہ احرام کی حالت میں رشتہ نکاح قائم کرنا درست اور جائز نہیں باطل ہے۔ اس مؤقف کی دلیل حضرت عثمان کی نقل کردہ روایت ہے:

"إِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكِحُ"[7]

"کوئی بھی شخص حالت احرام میں نہ نکاح کر سکتا ہے اور نہ کسی اور کا نکاح کروا سکتا ہے۔"

حضرت میمونہ کے نکاح کے متعلق مذکورہ فقہاء کرام ایک روایت ذکر کرتے ہیں:

"تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ"[8]

"نبی اکرم ﷺ نے حضرت میمونہ سے اس حال میں نکاح کیا کہ آپ حلال تھے۔"

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آپ کا نکاح حضرت میمونہ سے احرام کی حالت میں نہیں ہو لہٰذا حالت احرام میں کیا ہو نکاح درست اور جائز نہیں ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ احرام کی حالت میں رشتہ نکاح قائم کرنا بالکل درست اور جائز ہے۔اور یہ مسلم شریف میں مذکور حضرت ابن عباس کی نقل کردہ روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ"[9]

"نبی اکرم ﷺ کا نکاح حضرت میمونہ کے ساتھ حالت احرام میں ہوا تھا۔"

امام اعظم ابی حنیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کی ذکر کردہ روایت "إِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكِحُ"[10] اس کو ہم نہی کی حالت پر محمول کریں گیں اور یہ حکم اس کے حق میں ہوگا جو احرام کی حالت میں نکاح کرنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پا سکتا ہو اور اس کا عورت کے ساتھ مباشرت میں پڑ جانے کا خطرہ ہو اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس شخص کے لیے نہی کا حکم بھی نہیں۔[11]

خلاصہ یہ کہ اب فقہاء کرام کے درمیان اختلاف کا دارومدار اس بات پر رہ جاتا ہے کہ آیا نبی اکرم ﷺ کا نکاح جو کہ حضرت میمونہ کے ساتھ ہوا تھا وہ حالت احرام میں ہوا تھا جس طرح کہ امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے یا یہ نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہو تھا جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

دونوں روایات کی وجہ ترجیح:

مشہور سیرت نگاروں کی ذکر کردہ تصریحات سے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے منقول روایت کو تقویت ملتی ہے جیسا کہ علامہ ابن اسحٰق اور علامہ ابن ہشام اور ابن سعد نے اس نکاح کی تفصیل بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عمرہ قضاء کے دوران مقام سرف میں پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور پھر جب آپ عمرہ کرکے لوٹ رہے تھے تو مقام سرف میں ہی آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بناء کی اور اس وقت آپ حالت احرام میں نہیں بلکہ حلال تھے۔[12]

حضرت عبد اللہ ابن عباس کی نقل کردہ روایت کی دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات ابن سعد میں صراحت کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اس نکاح کے عاقد حضرت عباس تھے کیونکہ حضرت میمونہ کے اولیاء میں سے کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا عقد نکاح کا وقت اور اس کے مقام کے بارے میں جو تفصیلات حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے کو پتا ہوں گی ان سے کوئی دوسرا اتنا واقف نہیں ہو سکتا[13]۔اس وجہ سے ابن عباس کی روایت کو دوسری روایت کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

جنگِ مؤتہ:

"نبی اکرم ﷺ نے سن 8 ہجری میں تین امراء کی ترتیب وار قیادت میں ایک لشکر سرزمین شام کے علاقہ مؤتہ کی طرف روانہ کیا[14]۔ اس قافلہ کو بھیجنے کا مقصد مسلمانوں کے قتل ہونے کا بدلہ لینا تھا۔ پہلے نبی اکرم ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر کو ایک خط دے کر بصری کے حاکم کی طرف روانہ کیا راستہ میں ان صحابی کو قیصر روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے بلقاء کے مقام سے گرفتار کر لیا اور پھر انہیں قتل کر دیا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے تین ہزار کا لشکر حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں روانہ کیا اور فرمایا اگر یہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر قافلہ کے امیر ہو گیں اور یہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنالیا جائے۔"[15]

جنگِ مؤتہ سے حاصل ہونے والے اسباق و مسائل:

- **اہل خانہ کا میت پر رونے کا حکم:**

نبی مکرم ﷺ نے جب حضرت جعفر کی شہادت کی اطلاع سنی تو ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کو دی تو وہ دکھ کی سبب سے رونے لگی اور نبی مکرم ﷺ نے انہیں رونے سے منع نہیں کیا اگر میت پر رونا ممنوع ہوتا تو آپ انہیں ضرور منع فرماتے۔

غزوہ مؤتہ میں جب نبی اکرم ﷺ کو لشکر کے تین امراء کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ پر یہ بات نہایت شاق گزری آپ اس سے بہت رنجیدہ اور افسردہ ہوئے کیونکہ آپ کا دل مبارک انتہائی رقیق اور رحمت سے بھرپور تھا۔ یہاں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کسی کے انتقال یا شہادت پر دکھ یا رنج کا اظہار کرنا یہ قضائے الٰہی مخالفت میں نہیں آتا اور مصیبت اور پریشانی میں دکھ اور غم کے اظہار سے انسان صبر و تحمل جیسی صفات سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ انسان جو دکھ اور تکالیف کو برداشت کرکے اللہ رب العزت پر بھروسہ کرتا ہے یہ افضل ہے اس انسان سے جسے دکھ اور تکلیف کی پرواہ ہی نہیں ہوتی لیکن یہ ضروری ہے کہ غم اور پریشانی میں انسان کا ضمیر اپنے رب کے فیصلے پر مطمئن ہو۔ اس سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ میت پر غم اور دکھ کا اظہار جائز طریقے سے مشروع ہے منع نہیں۔[16]

اور جس قسم کے دکھ اور رنج کے اظہار کی شریعت نے ممانعت کی ہے وہ دراصل دور جاہلیت کے طور طریقوں کی طرح اپنے کپڑوں اور گریبانوں کو کاٹ کرنا اور نوحہ کرنا اور اظہار غم میں بازیبا الفاظ کا استعمال کرنا ہے جو کہ مذکورہ قسم میں کے زمرہ میں نہیں آتے۔

- **جواز تعزیت:**

حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ غزوہ مؤتہ میں حضرت جعفر کی شہادت کے بعد نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں آئے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس بلاؤ جب وہ آئے تو آپ نے ان بچوں سے پیار اور شفقت کا برتاؤ کیا اور حال یہ تھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ یہاں سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ میت کے اہل خانہ سے تعزیت کرنا مسنون عمل ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو اکیلا خیال نہ کریں۔[17]

- **تین دن کے بعد میت پر رونے کی ممانعت:**

نبی مکرم ﷺ جب حضرت جعفرکے گھر تین روز کے بعد گئے تو آپ نے وہاں کچھ عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس موقع پر فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر کوئی بھی نہ روئے۔اس سے علماء سیر نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ میت کے انتقال کے بعد اس کے اہل وعیال والے تین دن تک اس پر دکھ اور رنج کا اظہار کر سکتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے معمول کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کریں۔[18]

- **میت کے اہل خانہ کو کھانے دینے کی اباحت:**

حضرت جعفر کی شہادت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کو یہ فرمایا کہ جعفر کے گھروالوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا انتظام کریں۔اس میں میت کے اہل خانہ کی پریشانی اور مصیبت کو ہلکا کرنا اور ان کے ساتھ ہمدردی والا سلوک کرنا ہے۔[19]

- نبی اکرم ﷺ کا اس غزوہ میں ترتیب وار تین امراء کو لشکر پر مقرر کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امارت کو عہدہ کو مشروط طریقے پر بھی کسی کو دیا جاسکتا ہے اور اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کسی کام کے لیے ایک سے زیادہ امراء کا تقرر کرنا بھی درست اور صحیح ہے۔[20]
- نبی اکرم ﷺ کو جب غزوہ مؤتہ کے تینوں امراء کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو آپ نے صحابہ کو بلا کر سب کو اس بات سے آگاہ کیا اس سے اس بات کا ثبوت نکلتا ہے کہ میت کے انتقال کی خبر دینا یا اس کا اعلان کرنا یہ مشروع افعال میں سے ہے۔[21]

اجتہاد کی اجازت:

غزوہ مؤتہ میں تینوں امراء کی شہادت کے بعد اہل قافلہ نے اپنی صوابدید سے حضرت خالد بن ولید کو اپنے امیر منتخب کیا اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیات میں ہی صحابہ کرام کو اجتہاد کی اجازت دی ہوئی تھی۔[22]

مہلک مقام سے بھاگنے کا حکم:

غزوہ مؤتہ میں کفار کا دو لاکھ کا ایک بڑا لشکر دیکھ کر بعض صحابہ میدان سے بھاگ گئے اس واقعہ سے علامہ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں مہلک مقام سے بھاگنا جائز ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ بعد میں جب یہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہم تو میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے ہم بھگوڑے ہیں تو اس پر نبی اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم دشمن پر دوبارہ حملہ آور ہونے والے ہو اور میں تمہاری اور تمام مسلمانوں کی جماعت میں سے ہوں۔[23]

غرض یہ کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے اس غزوہ نے اہل روم کی طاقت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے مستقبل پر اپنا گہرا اثر چھوڑ دیا۔اور ان کے ساتھ جنگ کرنے میں مسلمانوں کو اہل روم کی جنگی تدابیر اور طور طریقوں کو سمجھنے اور کئی اسباق حاصل ہوئے۔[24]

سریہ ذات السلاسل:

"غزوہ موتہ سے واپسی کے کچھ ہی ایام کے بعد 8 ہجری میں نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی کہ بنی قضاعہ مدینہ پر چڑہائی کے لیے منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تین سو انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک قافلہ حضرت عمرو بن العاص کی سربراہی میں روانہ کیا اس لشکر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جیسے کبار صحابہ کرام بھی موجود تھے۔[25]

حضرت عمرو بن العاص نے ایسی حکمت کے ساتھ لشکر کی کمان کی کہ آپ نے پہلے قبائل بلی کے علاقوں کے تابع فرمان کیا اور پھر بلقین اور عذرہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ الغرض جب علاقوں کی فتح یابی کے بعد یہ لشکر واپس مدینہ منورہ لوٹ رہا تھا تو راستے میں قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور سخت سردی کی رات تھی امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص کو غسل کی ضرورت در پیش ہو گئی۔ آپ نے غسل نہیں کیا اور تیمّم فرماتے ہوئے اللہ رب العزت کے اس ارشاد کو واضح کیا:

"وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا"[26]

"اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے رحیم ہیں۔"

اور آپ نے تمام لشکر کی امامت فرمائی نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے حضرت عمرو کے اجتہاد کو برقرار رکھا اور کوئی نکیر نہیں فرمائی۔"[27]

سریہ ذات السلال سے ہونے والے اسباق و مسائل:

پانی کی موجودگی میں تیمّم کا جواز:

اس سریہ سے تیمّم کے جواز کا ایک سبب یہ معلوم ہوا کہ جب پانی کے استعمال سے کسی ہلاکت جان کا اندیشہ ہو یا کسی عضو کے شل ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں جنبی آدمی کے لیے پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا جائز اور درست ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے سریہ ذات السلاسل میں پانی کی موجودگی میں تیمّم کر کے نماز پڑہائی اور نبی اکرم ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔[28]

اجتہاد کا جواز:

حضرت عمرو بن عاص نے قرآن مجید کی آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے اجتہاد کر کے سرد رات میں غسل کے بجائے تیمّم پر اکتفاء کیا۔ اس سے اس بات کا علم ہوا کہ اجتہاد کا جواز اور اس کی مشروعیت نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی تھی۔[29]

تیمّم کرنے والے کی امامت کا حکم:

اس سریہ سے اس مسئلہ کا پتا چلتا ہے کہ اگر تیمّم کرنے والا وضوء کرنے والوں کی امامت کروائے تو یہ درست اور صحیح ہے کیونکہ حضرت عمرو بن العاص نے 500 صحابہ کرام کی موجودگی میں امامت کروائی جنہوں نے وضوء کیا ہوا تھا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے آپ کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔[30]

افضل کی موجودگی میں مفضول کی امارت کا حکم:

سریہ ذات السلاسل میں کبار اور افضل صحابہ کرام موجود تھے مثلاً حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر وغیرہ اور پھر بھی اس دستہ پر حضرت عمرو بن العاص کو امیر مقرر کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول شخص کو بھی امارت

کا عہدہ دیا جا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا خاص امتیاز موجود ہو جو اس کو امیر بننے کا اہل بنائے جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص جنگی طریقوں اور اصول کے ماہر تھے۔[31]

قرطاء کے خلاف محمد بن مسلمہ کی کاروائی:

"سن 6 ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے بنی بکر بن کلاب کے ایک قبیلے قرطاء پر حملے کے لیے تین سو سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔[32] جب یہ لشکر مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہا تھا تو راستے میں انہیں بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی ملے مسلمانوں نے انہیں قید کر لیا اور مدینہ لا کر مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ نبی اکرم ﷺ جب ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ تمہارے پاس کیا ہے تو ثمامہ نے فرمایا میرے پاس خیر ہے اور اگر آپ قتل کریں گیں تو ایک خون والے انسان کو قتل کریں گیں اور اگر آپ بھلائی کریں گیں تو ایک قدر دان پر احسان کریں گیں۔آپ انہیں چھوڑ کر چلے گئے اگلے روز پھر یہی سوال کیا ثمامہ نے پھر یہی جواب دیا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں چھوڑنے کا حکم دیا وہ مسجد کے قریب ہی ایک نخلستان تھا وہاں گئے اور غسل کر کے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔[33]"

ثمامہ بن اثال حنفی کے واقعہ سے جو دروس و فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- کافر کو مسجد میں باندھا جا سکتا ہے۔اور اسیر احسان کرتے ہوئے اس کو بلا معاوضہ بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔
- اسلام قبول کرتے ہوئے غسل کرنا مستحب عمل ہے۔ جیسا کہ ثمامہ بن اثال کے واقعہ سے ظاہر ہے۔
- اگر کفار قیدیوں میں سے کسی کے بارے میں یہ توقع ہو کہ اس کو اگر چھوڑا جائے یا نرمی کا سلوک کیا جائے تو یہ اسلام قبول کر لے گا تو ایسا کرنا درست ہے۔اور خاص طور پر اس وقت جب کہ اس شخص کے اسلام لانے کے بعد یہ امید ہو کہ اس کے اسلام لانے سے اس کے متبعین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔
- کفار کے علاقوں میں بھی اسلامی لشکر بھیجے جا سکتے ہیں اور جہاں کوئی کافر یا مشرک ملے اسے قید میں لیا جا سکتا ہے اور پھر امیر کو اس کے بارے میں اختیار ہو گا چاہے تو وہ اسے معاف کر دے یا قتل کر دے۔
- کافر جب اسلام قبول کر لے تو اس کو چاہیے کہ گذشتہ تمام تعلقات اور معاملات کو ختم کرنے کا اعلان کر دے اور دین اسلام کے تمام امور کا التزام کرے۔[34]

غزوہ حنین:

"نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ابی حدرد کو حنین کی طرف جاسوسی کی غرض سے روانہ کیا انہوں نے اہل حنین کے حالات کا جائزہ لے کر نبی اکرم ﷺ کو ان کے ارادوں سے باخبر کیا۔[35] چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اہل حنین سے لڑائی کی تیاری شروع کریں اور آپ نے صفوان بن امیہ سے مال کے عوض ایک سو اور دوسری روایت کے مطابق چار سو زرہیں عاریت کے طور پر حاصل کیں اور صفوان بن امیہ مشرک ہونے کے باوجود جنگ حنین میں موجود تھا[36]۔آپ چونکہ فتح مکہ کے لیے دس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر آئے تھے آپ نے ان کے ساتھ دو ہزار طلقاء مکہ کو بھی ملایا اور 8 ہجری میں حنین کا رخ کیا۔مکہ پر آپ نے عتاب بن اسید کو اپنا نائب مقرر کیا۔آپ غزوہ حنین میں اپنی خچر پر سوار تھے اور حضرت عباس آپ کی خچر کی لگام تھامے اسے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب"[37]

"میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

غزوہ طائف:

" نبی اکرم ﷺ نے حنین سے واپسی پر مکہ کے بجائے وادی طائف کا رخ کیا اور ان کا محاصرہ کیا۔ بعض اہل سیر کے مطابق یہ محاصرہ بیس دن اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے پندرہ اور بعض نے پندرہ بتلایا ہے۔[38] آپ نے اہل طائف کو ان کے اموال اور اولاد میں اختیار دیا انہوں نے اپنی اولاد کو اختیار کیا۔ پھر آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ جو قیدی میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے میں آئے ہیں وہ تمہارے ہو گئے جب یہ بات انصار و مہاجرین صحابہ نے سنی انہوں نے بھی اپنے قیدی نبی اکرم ﷺ کے حوالہ کر دیے اس طرح آپ نے ہوازن کو تمام عورتیں اور بچے واپس کر دیے جو تقریبا چھ ہزار تھے[39]۔ پھر آپ نے غنائم کی تقسیم شروع کی آپ نے لوگوں کی تالیف قلوب کی خاطر کسی کو تین سو[40] کسی کو ایک سو اور پچاس پچاس اونٹ عنایت فرمائے۔[41]

غنیمت کی تقسیم کے بعد بعض انصار اس بات پر ناراض ہو گئے کہ ہمیں فراموش کرکے نئے لوگوں کو اتنے عطایا سے نوازا گیا جب نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے انہیں ایک خطبہ دیا جس میں ان کا مقام دوسرے لوگوں کی بنسبت واضح کیا جس پر وہ خوش اور دلوں سے راضی ہو گئے[42]۔"

غزوہ حنین اور طائف سے مستنبط ہونے والے اسباق و مسائل:

گھروں میں مخنث کے دخول کا حکم:

عورتوں کے پاس گھروں میں مخنث کا داخل ہونا منع ہے۔ غزوہ طائف کے محاصرہ سے کچھ پہلے نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ کے حجرہ میں ان کے بھائی عبداللہ کے سامنے ایک آدمی بادیہ بنت غیلان الثقفی کو ایک مخنث کے نامناسب اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا۔ جس میں وہ انہیں اس عورت کے حصول کی رغبت دلا رہا تھا تو نبی اکرم ﷺ اس پر سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"لا یدخلن ھؤلاء علیکن"[43]

"یہ مخنث تمہارے ہاں ہرگز نہ آیا کریں۔"

آپ کے اس عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس ممانعت سے آپ کا مقصد امت مسلمہ کو اخلاق سیئہ اور خصائل رذیلہ سے محفوظ کرنا تھا۔[44]

- غزوہ حنین کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ایک شرابی پر حد لگائی۔ اس سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ دارالحرب میں بھی امام حدود کا نافذ کر سکتا ہے۔[45]
- مؤلفۃ القلوب کو مال غنیمت میں سے دینا شرعا جائز اور درست ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حاکم اس تقسیم سے مسلمانوں کی مصلحت اور آئندہ کے فوائد کی امید رکھتا ہو کہ وہ لوگ آئندہ مسلمانوں کو ایذائیں نہیں دیں گیں یا یہ کہ

وہ لوگ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں گیں۔

- حرم مکہ میں داخل ہونے والے کے لیے مقام جعرانہ سے احرام باندھنا مسنون ومشروع ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ حنین سے فراغت کے بعد مکہ میں مقام جعرانہ سے احرام باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا۔[46] ہاں البتہ جو آدمی پہلے سے ہی مکہ کے اندر موجود ہے اس کے لیے کوئی ضروری نہیں کہ وہ ادائیگی عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے مقام جعرانہ آئے۔ آج کل عوام اس طرح احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتی ہے لیکن یہ عمل سنت نہیں۔[47]
- کفار ومشرکین کے حربی آلات اور اسلحہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں عاریۃً لی تھیں۔ لیکن یاد رہے یہ اس وقت درست ہے جب کہ ایسا کرنے سے جنگ کے مقاصد پر اس عمل کا کوئی اثر مرتب نہ ہوتا ہو۔
- یہود اور کفار سے مقابلہ کے وقت منجنیق کو نسب کر کے ان پر پتھراؤ کیا جا سکتا ہے۔ چاہے ایسا کرنے میں گھروں میں بیٹھی خواتین اور بچوں کے قتل کا امکان موجود ہو۔[48]
- اگر مشرکین وکفار کے باغات اور فصلوں کا تباہ وبرباد کرنے یا ان میں آگ لگانے سے ان کی جنگی طاقت اور قوت کمزور پڑتی ہو یا ایسا کرنے سے ان کی تکلیف ناقابل برداشت محسوس ہو تو حالت جنگ میں ایسا کیا جا سکتا ہے۔
- قبیلہ طائف اور بنو ثقیف کے لیے باوجود ان کے ظلم وجور کے آپ کا ان کے ہدایت ورشد کی دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ انتہائی مشفق اور رحم دل تھے[49]۔
- نبی اکرم ﷺ کا حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ذوالکفین نامی بت کو نیست ونابود کرنے کے روانہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مسلمان کسی علاقہ پر غالب آ جائیں تو وہاں کفر وشرک کی علامات اور ان کے ٹھکانوں کو باقی رکھنا جائز نہیں بلکہ انہیں یکے بعد دیگرے منہدم کر دیا جائے گا کیوں کہ ایسی علامات اہل کفر کا امتیاز اور ان کی بڑی برائی ہے[50]۔
- عورتیں اپنے خاوند یا کسی ذی رحم محرم کے ساتھ جنگ میں شرکت کر سکتی ہیں لیکن ان کی شرکت کا دائرہ کار جنگ کے علاوہ مجاہدین کی خدمات تک محدود ہوگا۔ امام مسلم بن حجاج کی نقل کردہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ غزوہ حنین اور فتح مکہ میں ام سلیم بنت ملحان اپنے خاوند ابو طلحہ کے ساتھ شریک تھیں۔[51]

بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور جنگ نہ کرنے والے افراد کے قتل کی ممانعت:

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولید نے ایک عورت کو قتل کر دیا تو وہاں پر لوگوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا جب نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ماکنت هذه لتقاتل "

"یہ عورت کون سی قتال کر رہی تھی؟"

پھر آپ نے ایک آدمی کو پیغام دے کر حضرت خالد کے پاس روانہ کیا:

"الحق خالدا، فقل له :لا يقتلن ذرية ولا عسيفا"

"کہ خالد کو جا کر یہ بات بتلادو کہ کسی مزدور اور بچے کو قتل نہ کرے۔"[52]

- مال غنیمت کی تقسیم سے اکثر دیہاتیوں اور اہل مکہ کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے نرمی پیدا ہوئی ۔اور حضرات انصار کو یہ اعزاز ملا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بیٹوں اور پوتوں کے لیے خیر کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ یہ خوش بختی بھی انصار کو ملی کہ رسول خدا ﷺ انصار کی معیت میں واپس مدینہ منورہ پہنچے ۔[53]
- غزوہ حنین سے ہوازن اور اہل مکہ کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کو اعلی درجہ کی قیادت ملی ۔اور یہ خود اہل عرب میں موجود خصائل رذیلہ اور جاہلیت کے بت کدوں کے خلاف کمربستہ ہو گئے ۔ جیسا کہ طائف والوں پر جب دائرہ حیات تنگ ہوا تو انہیں اسلام کے سائے میں لانے میں قبیلہ ہوازن کا نمایاں کردار تھا۔
- غزوہ حنین سے اسلامی سلطنت کو مزید وسعت ملی اور اس کا دائرہ کار مزید بڑھ گیا ۔نبی اکرم ﷺ نے مکہ اور بنی ہوازن پر امراء کا تقرر کیا اور اس طرح یہ تمام جگہیں اسلامی حکومت کا حصہ ہو گئیں ۔اور نبی اکرم ﷺ کے لیے ادھر ادھر کے قبائل کی طرف اسلامی دستے ارسال کرنا ممکن ہو گیا ۔غزوہ فتح مکہ کے بعد اسلام کے سائے میں آنے والے قبائل اور قافلوں کا استقبال کیا جاتا ۔اس کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے آس پاس کے قبائل سے زکاۃ کے حصول کے لیے بھی ایک نظام تشکیل دیا اور یہ ذمہ داریاں بھی بعض صحابہ کو سونپی گئیں[54]۔

نتائج:

- غزوہ حنین سے پتا چلتا ہے کہ جنگی اسباب وذرائع اختیار کرنا توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔اور اللہ تعالی کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کی ضمانت کے باوجود اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔
- غزوہ حنین سے اس اصول کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے کہ شریعت میں بڑے فساد کو روکنے کے لیے چھوٹے فساد کو برداشت کر لیا جائے اور بڑی مصلحت کے لیے چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔یہ دونوں قاعدے دین و دنیا کی مصلحتوں کی بنیاد ہیں۔
- غزوہ طائف سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ شرک اور طاغوتی مراکز کو ایک دن بھی باقی نہ رکھا جائے بلکہ ان کو منہدم کر دیا جائے بشرطیکہ انہیں مٹانے اور ختم کرنے کی استطاعت ہو ، کیونکہ یہ جگہیں شرک و کفر کی علامات ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہیں۔اس لیے استطاعت ہوتے ہوئے انہیں قائم رہنے دینا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث:

نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ سیرت طیبہ اسلامی تعلیمات کا ایک جامع اور مکمل دستور حیات ہے ۔نبی اکرم ﷺ کی روشن سیرت سے انسانی معاشرہ میں ایک حیرت انگیز انقلاب لے کر آئی ۔یوں تو آپ ساری امت کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے تھے لیکن جنگ جیسے نازک موڑ پر بھی بجائے اس کے کہ رحم و کرم ،عدل و امن اور عفو و درگزر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا لیکن ایسے مواقع پر آپ کی یہ صفات اور زیادہ روشن ہو کر سامنے آئیں چنانچہ آپ کا جنگی رویہ اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور آپ کے ذریعہ طے شدہ جنگی اصولوں میں انسانی جان کی کس قدر اہمیت لوگوں کے دلوں پر بٹھائی گئی اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں دربار نبوی ﷺ میں انسانی جان کی پاسداری یوں تو آپ کی زندگی مکمل دستور حیات ہے زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کو آپ نے تشنہ رکھا ہو تاہم تاریخ رسالت کا سب سے روشن باب آدمیت کا قیام ہے ۔یہی وجہ تھی کہ بلا امتیاز مذہب اور قبائل

مشرکین اور یہود و نصاری آپ کے پاس اپنی شکایات لاتے فیصلہ کرواتے اور انصاف لے کر واپس ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ کی یہ جنگی مہمات تاریخ اسلام کا ایک روشن اور زریں باب ہے جس نے امت کو جہاد کی دعوت سے روشناس کرایا۔ ریاست اور حکومت اسلام کا مقصد نہیں بلکہ نشان منزل ہے اسی ضرورت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی جو ہمیشہ کے لیے تمام ریاستوں کے لیے اسی طرح کا نمونہ اور مثال رہے گی

دراصل تعداد کسی وقت بھی فیصلہ کن جوہر ثابت نہیں ہوتی۔ مقصد کے حصول اور کامیابی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ اگر تھوڑی تعداد میں پائے جائیں تو میدان اِنہی کے ہاتھ رہتا ہے اور یہ بات تحریر سے ثابت ہے کہ جو جماؤ تھوڑی تعداد کو حاصل ہوتا ہے وہ بڑی تعداد میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

دعوت اسلامیہ کی نشر واشاعت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے اس کے ہر پہلو کے لیے سیرت نبوی میں رہنمائی موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے رفیق اعلی کے پاس جانے سے پہلے ہر اس انسان کے لیے بے شمار نمونے چھوڑے ہیں جو آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہو، خواہ وہ دعوت وتربیت کا میدان ہو یا تعلیم وثقافت کا، جہادی امور ہوں یا زندگی کے کسی شعبے سے بھی تعلق رکھنے والے معاملات ہوں ان تمام کا حل ہمیں سیرت طیبہ کے مطالعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] ابو محمد، عبد الملک ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مکتبۃ منار، الاردن، ۱۹۸۷ء، ۴: ۱۸۔ العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۸ھ، ۱۶: ۸۴

Ibn Hishām, ʻAbd al Malik, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, (Jordan: Maktabah al Manār, 1987), 4: 18. Ibn Ḥajar al ʻAsqalānī, *Fatḥ al Bārī*, (Beirut: Dār al Ma'rifah, 1378), 16: 84

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویۃ، دار معرفۃ للطباعۃ، ۱۹۸۶ء، ۲: ۳۱۰

Ibn Kathīr, Ismā'īl bin 'Umar, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, (Dār Ma'rifah lil Ṭabā'ah, 1986), 2: 310

[3] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۱۱

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 311

[4] ابن القیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ۱۳۹۹ھ، ۳: ۳۷۵

Ibn al Qayyim al Jawziyyah, *Zād al Ma'ād fī Hadyi Khayr al 'Ibād*, (Dār al Risālah, 1399), 3: 375

[5] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۱۰، ۳۱۱۔ ابن القیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ۳: ۳۷۵

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 310, 311. Ibn al Qayyim al Jawziyyah, *Zād al Ma'ād fī Hadyi Khayr al 'Ibād*, 3: 375

[6] ابو الحسن الندوی، السیرۃ النبویۃ، دار التوزیع والنشر الاسلامیۃ، القاھرۃ، ۱۹۹۷ء، س: ۳۲۱

Abul Ḥasan al Nadvī, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, (Cairo: Dār al Tawzī', 1997), p: 321

[7] الترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء، حدیث نمبر: ۸۴۰

Al Tirmidhī, Muḥammad bin ʻEīsa, *Al Sunan*, (Egypt: Maktabah Muṣṭafa al Bābī, 1975), Ḥadīth # 840

[8] الترمذی، سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم، حدیث نمبر: ۸۴۱۔

Al Tirmidhī, *Al Sunan*, Ḥadīth # 841

[9] مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، باب تحریم نکاح المحرم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء، حدیث نمبر: ۱۴۱۰

Muslim bin Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, (Beirut: Dār al Kutub al ʻIlmiyyah, 1987), Ḥadīth # 1410

[10] الترمذی، سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم، حدیث نمبر: ۸۴۰

Al Tirmidhī, *Al Sunan*, Ḥadīth # 840

[11] ابن نجیم المصری، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الاسلامی، ۳: ۱۰۴

Ibn Nujaym, Zayn al Dīn bin Ibrāhīm, *Al Baḥr al Rāʻiq*, (Dār al Kitāb al Islāmī), 3: 104

[12] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲: ۲۵۵۔ الطبقات الکبری، محمد بن سعد الزہری، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۰۸ھ، ۸: ۱۳۲

Ibn Saʼad, Muḥammad bin Saʼad, *Al Ṭabqāt al Kubra*, (Madina: Maktabah al ʻUlūm wal Ḥikam, 1408), 8: 132

[13] محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبری، ۸: ۱۳۲، ۱۳۳

Ibn Saʼad, *Al Ṭabqāt al Kubra*, 8: 132, 133

[14] اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ جنگ ۸ھ میں ہوئی۔ ابن اسحاق نے اس روایت کو عروہ سے بیان کیا ہے اور عروہ نے اس روایت کو مرسلا نقل کیا ہے۔ محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبری، ۲: ۱۲۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۲۳

Ibn Saʼad, *Al Ṭabqāt al Kubra*, 2: 128. Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 4: 23

[15] الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، دار الاعلمی، بیروت، ۱۹۸۹ء، ۲: ۷۵۶

Al Wāqdī, Muḥammad bin ʻUmar, *Al Maghāzī*, (Beirut: Dār al Aʼlamī, 1989), 2: 756

[16] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۳۲۔ العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، ۱۶: ۱۰۰

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 332. Ibn Ḥajar al ʼAsqalānī, *Fatḥ al Bārī*, 16: 100

[17] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۳۲

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 332

[18] ایضاً، ۲: ۳۳۳

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 333

[19] احمد بن محمد، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء، ۶: ۳۸۰

Aḥmad bin Ḥambal, *Al Musnad*, (Beirut: Moʼassasah al Risālah, 2001), 6: 380

[20] ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر، البدایۃ والنھایۃ، دار الریان للتراث، ۱۹۸۸ء، ۴: ۶۵۱

Ibn Kathīr, Ismāʻīl bin ʻUmar, *Al Bidāyah wal Nihāyah*, (Dār al Riyān lil Turāth, 1988), 4: 651

[21] ایضاً، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۲۴

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 324

[22] ایضاً، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۲۴

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2:324

[23] ایضاً، البدایۃ والنھایۃ، ۴: ۶۵۳

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wal Nihāyah*, 4: 653

[24] دکتور اکرم ضیاء نے اس غزوہ سے بہت سے عمدہ مسائل اور نکات کا استنباط کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے۔ (دکتور اکرم ضیاء عمری، المجتمع المدنی فی عہد النبوۃ، دار المعارف، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۶۸

Dr. Akram Zia, *Al Mujtama' al Madanī fī 'Ahad al Nabūwwah*, (Dār al Ma'ā rif, 1984), p: 168

[25] محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبری، ۲: ۱۳۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۴: ۳۵۹

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabqāt al Kubra*, 2: 131. Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 4: 359

[26] سورۃ النساء، ۲۹

Sūrah al Nisā', 29

[27] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، باب اذا خاف الجنب البرد تیمّم، حدیث نمبر: ۳۳۵۔ الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، ۲: ۷۶۹

Abū Dāwūd, *Al Sunan*, Ḥadīth # 335. Al Wāqdī, *Al Maghāzī*, 2: 769

[28] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۳۶۲

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 362

[29] ایضاً، ۲: ۳۶۲

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 362

[30] ایضاً، ۲: ۳۶۱

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 361

[31] ایضاً، ۲: ۳۶۳۔ ابن حجر، فتح الباری، ۱۶: ۱۹۶

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 363. Ibn Ḥajar al 'Asqalānī, *Fatḥ al Bārī*, 16: 196

[32] الطبقات الکبری، محمد بن سعد الزہری، ۲: ۷۸

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabqāt al Kubra*, 2: 78

[33] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۳۸۱

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 381

[34] ایضاً، ۲: ۵۵۶۔ علامہ ابن حجر نے اس واقعہ سے بے شمار فوائد ذکر کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۱۶: ۲۱۲

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 556. Ibn Ḥajar al 'Asqalānī, *Fatḥ al Bārī*, 16: 212

[35] الحاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۳: ۴۷

Al Ḥ ā kim, Muḥammad bin 'Abdullah, *Al Mustadrak 'ala al Ṣaḥīḥayn*, (Beirut: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah, 1990), 3: 47

[36] یوسف بن عبد اللہ النمری، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۲ء، ۳: ۶۶۱ - ۶۶۵

Al Namarī, Yūsuf bin 'Abdullah, *Al Istī'āb fī Ma'rifah al Aṣḥāb*, (Beurit: Dār al Jiyal, 1992), 3: 661 - 665

[37] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب قول اللہ تعالی: (ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم)، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، حدیث نمبر: ۴۳۱۵

Al Bukhārī, Muḥammad bin Ismā'īl, *Ṣaḥīḥ Al Bukhārī*, (Dār Ṭawq al Najāh, 1422), Ḥadīth # 4315

[38] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۱۵۷۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۸: ۴۵

Ibn Hishām, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 4: 175. Ibn Ḥajar al ʻAsqalānī, *Fatḥ al Bārī*, 8: 45

[39] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۱۷۹۔ البیہقی، احمد بن الحسین، السنن الکبری، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۱ء، ۹: ۸۴

Ibn Hishām, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 4: 179. Al Bayhaqī, Aḥmad bin al Ḥusayn, *Al Sunan al Kubra*, (Beirut: Mo'assasah al Risālah, 2001), 9: 84

[40] مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، باب اعطاء المؤلفۃ قلوبھم، حدیث نمبر: ۱۰۵۹

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth # 1059

[41] احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ۳: ۱۵۷

Aḥmad, *Al Musnad*, 3: 157

[42] بخاری، صحیح البخاری، باب ماکان النبی ﷺ یعطی المؤلفۃ قلوبھم، حدیث نمبر: ۳۱۴۷

Ṣaḥīḥ Al Bukhārī, Ḥadīth # 3147

[43] ایضاً، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر: ۳۲۴۷

Ṣaḥīḥ Al Bukhārī, Ḥadīth # 3247

[44] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۴۶۰

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 460

[45] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، حدیث نمبر: ۴۴۸۷

Sunan Abī Dāwūd, Ḥadīth # 4487

[46] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، باب کم اعتمر النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۱۷۷۸

Ṣaḥīḥ Al Bukhārī, Ḥadīth # 1778

[47] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۴۸۱

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 481

[48] ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲: ۴۵۹۔ ابن القیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ۳: ۵۰۳

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 459. Ibn al Qayyim al Jawziyyah, *Zād al Ma'ād fī Hadyi Khayr al 'Ibād*, 3: 503

[49] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۴۶۶

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 466

[50] ابن القیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ۳: ۵۰۳ - ۵۰۶

Ibn al Qayyim al Jawziyyah, *Zād al Ma'ād fī Hadyi Khayr al 'Ibād*, 3: 503 - 506

[51] مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، بَابُ بَیَانِ مَعْنَی قَوْلِہِ شَھْرَا عِیدٍ لَا یَنْقُصَانِ، حدیث نمبر: ۱۰۸۹

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth # 1089

[52] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، بَابٌ فِی قَتْلِ النِّسَاءِ، حدیث نمبر: ۲۶۶۹

Sunan Abī Dāwūd, Ḥadīth # 2669

[53] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۴۶۵

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 465

[54] ایضاً، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۴۹۳

Ibn Kathīr, *Al Sīrah Al Nabaviyyah*, 2: 493